حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی

دوامِ حدیث

حفاظتِ حدیث

صحّتِ حدیث کی شرائط

یہاں سمجھنے کے لیے دو آیتیں لکھی جاتی ہیں جو بظاہر عقل کے مخالف معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں مخالف نہیں۔

پہلی آیت

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ [1]

اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت عطا کرتے لیکن میں نے یہ بات کہی ہے کہ میں ضرور جہنم کو تمام جنوں اور انسانوں سے بھروں گا۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کا معاملہ انسان کے اختیار سے باہر ہے، انسان نیکی اور بدی میں مجبور ہے مگر یہ بات کہ انسان مجبور ہے عقل کے خلاف ہے کیونکہ ہم

[1] سورۃ السجدہ

سمجھتے ہیں کہ ہر انسان نیکی اور بدی میں اختیار رکھتا ہے۔ یہ فطری بات ہے۔
مگر حقیقت میں یہ آیت عقل کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو ہدایت اختیار کرنے میں مجبور کر دیتے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ انسان کو مختار بنا دیا ہے تاکہ اپنی مرضی سے ہدایت اور گمراہی کو اختیار کرے جو گمراہی کو اختیار کرے۔ ان سے جہنم بھری جائے گی۔ اگر انسان کو اختیار نہ دیا جاتا تو جہنم میں ڈالنا بے معنی ہوتا۔

دوسری آیت

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ [1]

یہاں تک کہ جب (ذوالقرنین) سورج کے غروب کی جگہ پر پہنچا تو اس کو کیچڑ والے چشمہ میں غروب ہوتا پایا۔

اس آیت سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت سورج کیچڑ والے چشمہ میں غائب ہو جاتا ہے اور یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ جو واقعہ کے خلاف ہو وہ امر عقل کے بھی خلاف ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ آیت عقل کے خلاف نہیں کیونکہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ سورج واقعی غائب ہو جاتا ہے بلکہ یہ ذکر ہے کہ سورج کو کیچڑ والے چشمہ میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی دیکھنے میں ایسا محسوس ہوتا تھا نہ حقیقت میں۔

یہی حال ان احادیث کا ہے جو بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عقل کے خلاف نہیں۔ پس حدیث کی صحت کے لیے یہ شرط لگانا کہ عقل کے خلاف نہ ہو صحیح نہیں۔

بعض علماء نے جو حدیث کے قابل قبول ہونے کے لیے یہ شرط پیش کی ہے (کہ حدیث میں ایسے واقعہ کا ذکر نہ ہو جس کے بیان کرنے والے بہت ہو سکتے ہوں مگر یہاں صرف ایک دو ہی ہوں بلکہ ایسی صورت میں بیان کرنے والے بہت ہونے چاہییں) محدثین کے نزدیک صحت کے لیے یہ شرط نہیں

---

[1] سورۃ الکہف

کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کا علم تو بہت آدمیوں کو ہوتا ہے مگر اس واقعہ کے بیان کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جب ضرورت ہوتی تو اس واقعہ کے جاننے والوں میں صرف دو باقی رہ گئے۔ پس لامحالہ ایسی صورت میں ان ایک دو ہی سے علم حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے جاننے والے بہت ——— تھے۔ اس لیے یہ شرط بھی صحیح نہیں۔

بعض نے یہ شرط بھی بڑھائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے عمل پر بڑے اجر کا وعدہ نہ ہو۔ مگر یہ شرط بھی صحیح نہیں کیونکہ قرآن مجید میں بھی بعض جگہ چھوٹے چھوٹے عمل پر بڑے بڑے اجر کا وعدہ ہے۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ [1] اگر تم صدقہ چھپا کر فقیروں کو دو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا اور تمہاری برائیوں سے دور کرے گا۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ [2] نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔

اصل غلطی کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیکی یا بدی کا چھوٹا یا بڑا ہونا اس اثر کے اعتبار سے ہے جو انسان کی روح پر پڑتا ہے جس کی بنا پر قیامت کے دن جزا و سزا ملے گی مگر اس کی حقیقت کا حقہٗ دنیا میں معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے نیکی و بدی کی تعیین اور اس کے چھوٹا بڑا معلوم کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

اور انسان عام طور پر کسی نیکی و بدی کے چھوٹا یا بڑا ہونے میں اس کے اخلاقی معاشی و سیاسی وغیرہ محسوس اثرات کو دیکھتا ہے اور روحانی اثرات کو نہیں دیکھتا۔ اس لیے یہ شرط بھی غلط ہے۔

پس ثابت ہوا کہ حدیث کے قابلِ قبول ہونے کے لیے محدثین نے جو شرطیں لگائی ہیں ان کے موجود ہونے کے بعد کسی مزید شرط کی ضرورت نہیں۔

بعض محدثین نے فضائل اعمال میں حدیثوں کے قبول کرنے میں جو کہا ہے کہ ہم نرمی

---

[1] سورۃ البقرہ [2] سورۂ ہود

کرتے ہیں۔ ان کا یہ مطلب نہیں کہ رُوات پر حکم لگانے میں نرمی کرتے ہیں۔ رواۃ پر حکم لگانے میں تو سب جگہ برابری ہوتی ہے۔ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اصل عمل اگر کتاب و سنت میں مذکور ہو اور اس کی فضیلت میں اگر ایسے راوی سے کوئی حدیث آئی ہو جس کے حافظہ میں کچھ کمی ہے تو ایسے راوی کی روایت فضائل اعمال میں لے لیتے ہیں۔ اصل عمل چونکہ کتاب وسنت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اس لیے اس حدیث کے بیان کرنے سے دین میں کمی وبیشی نہیں ہوتی باقی رہا یہ سوال کہ اس عمل کی فضیلت کا اعتقاد ایک ایسی حدیث سے پیدا ہوگا جو زیادہ قوی نہیں۔ تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ اعتقادات میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس ایسی حدیث سے اس عمل کی فضیلت کا اعتقاد نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور اس نرمی سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ موضوعات کو بھی لے لیا جائے کیونکہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ موضوع حدیث کا (بدوں اس کے کہ اس کے موضوع ہونے کا بیان کیا جائے) ذکر کرنا حرام ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب کوئی حدیث محدثین کے طریق پر صحیح ہوگی تو اس سے علم حاصل ہوگا اور بعض قرائن سے یقینی ہو جائے گی جیسا کہ صحیحین کی وہ حدیثیں جن پر تنقید نہیں ہوئی وہ سب کی سب یقینی ہیں

ملا علی قاری کی عبارت (جو منکرینِ حدیث اپنے اس خیال کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ حدیثوں کی صحت محدثین کے نزدیک بھی ظنی ہے) ذیل میں ذکر کر کے اس کا جواب لکھا جاتا ہے کہ:۔

"یہ سب کچھ محدثین کو اسناد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے ورنہ یقین کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس کو صحیح کہتے ہیں موضوع ہو اور جس کو وہ موضوع کہتے ہیں صحیح "۔ ؂۱

قبل اس کے کہ ہم ملا علی قاریؒ کی عبارت کا جواب لکھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل عبارت مع ترجمہ ذکر کر دیں۔

؂۱ مقام حدیث ج ۱، ص ۱۹۸، موضوعات کبیر ص ۱۶

فان هذا كله بحسب ما يظهر للمحدثين من حيث نظرهم الى الاسناد والا فلا مطمح للقطع في مقام الاسناد لتجويز العقل ان يكون الصحيح في نفس الامر ضعيفا او موضوعا والموضوع صحيحا مرفوعا الا الحديث المتواتر فانه في افادة العلم اليقيني يكون مقطوعا

کسی حدیث کو صحیح کہنا یا موضوع کہنا اس کی بنا اس امر پر ہے جو محدثین کو اسناد پر نظر کرنے سے ظاہر ہوا ورنہ مقام اسناد میں قطع کی طرف نظر نہیں ہوتی کیونکہ عقل کے ہاں یہ جائز ہے کہ ایک صحیح حدیث حقیقت میں ضعیف یا موضوع ہو اور موضوع صحیح مرفوع ہو۔ صرف متواتر حدیث ہی علم یقینی کا فائدہ دینے میں قطعی ہوتی ہے۔

ملا علی قاری نے اس عبارت میں مندرجہ ذیل باتیں کہی ہیں:۔

۱۔ محدثین نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ فیصلہ اسناد کو نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ فیصلہ قطعی نہیں ہو سکتا ہے۔

۳۔ ممکن ہے کہ نفس امر میں بات اس کے خلاف ہو۔

۴۔ صرف متواتر حدیث ہی علم یقینی پیدا کرنے میں قطعی کہی جا سکتی ہے۔

★ ملا علی قاری ان حدیثوں کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ جہاں محدثین کا فیصلہ صرف اسناد کی بنا پر ہے مگر جس جگہ فیصلہ دوسرے قرائن کی بنا پر ہو اس کے متعلق یہ ان کا فتوٰے نہیں، محدثین نے صحیحین کی ان حدیثوں کو جن پر انتقاد نہیں ہوا صرف اسناد کی بنا پر یقین کے لیے مفید ہونا بیان نہیں کیا بلکہ دوسرے قرائن کی بنا پر کیا ہے جن قرائن سے ایک قرینہ اہل فن کا اجماع ہے۔

★ پھر قطع کا لفظ جو ملا علی قاری کی عبارت میں ہے۔ وہ ایک مجمل لفظ ہے۔ اصول فقہ میں قطع کے دو معنے بیان کیے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جو حکم لگایا گیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی احتمال نہ

لہ موضوعات کبیر صفحہ ۱۸

ہو۔ اس معنے سے تو صرف محکم کو قطعی کہنا پڑے گا۔ ظاہر اور نص کو قطعی نہیں کہہ سکتے۔ دوسرا معنے یہ ہے کہ جو حکم لگایا گیا ہے اس کے خلاف کوئی ایسا احتمال نہ ہو۔ جس پر کوئی دلیل ہو۔ کسی ایسے احتمال کا ہونا جس پر دلیل نہ ہو۔ قطع کے منافی نہیں۔ پس ہماری بحث قطع میں دوسرے معنے کے لحاظ سے ہے اور ملا علی قاری کی بحث قطع میں پہلے معنے کی بنا پر ہے۔

ان القطع یطلق علی معنین نفی احتمال الغیر مطلقا و نفی احتمال الغیر احتمالا ناشئا عن دلیل [۱]

قطع کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ دوسری جانب کا بالکل احتمال نہ ہو دوسرا یہ کہ ایسا احتمال نہ ہو جس کی کوئی دلیل ہو۔

اس کی مثال سنیئے :۔

ایک شخص نے کہا کہ زید عالم ہے۔ اب زید اور عالم دونوں لفظ عام ہیں ان کا معنے ظاہر ہے اور اس کلام کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ زید کے لیے علم ثابت ہے اور یہ مراد اس کلام سے سمجھی جاتی ہے۔ قطع کے دوسرے معنے کے اعتبار سے یہ مفہوم قطعی ہے۔ کیونکہ اس مفہوم کے علاوہ کسی دوسرے مفہوم پر کوئی دلیل نہیں اور قطع کے پہلے معنے کے لحاظ سے یہ مفہوم قطعی نہیں کیونکہ مجازی معنے کا احتمال بھی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ زید سے مراد اس کا ساتھی ہو یا عالم سے مراد اس کا باعمل ہونا مراد ہو لیکن یہ احتمالات بے دلیل ہیں۔ اس لیے عرف میں عام طور پر قطع بول کر دوسرا معنی ہی مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اصول فقہ میں لکھا ہے

اما بیان التقریر و التغییر فیحتمله الخاص لانه لا ینافی القطعیة [۲]

جس بیان سے ایسا احتمال اٹھ جائے جو بلا دلیل ہو یعنے تقریر اور جس میں بیان سے معنے بدل جائے) خاص میں وہ احتمال قائم رہتا ہے کیونکہ یہ احتمال قطعی ہونے کے منافی نہیں۔

پس ملا علی قاری نے قطع بول کر پہلا معنے مراد لیا ہے۔ دوسرا معنے مراد نہیں لیا۔ دوسرے

---

[۱] قمر الاقمار بہ حاشیہ نور الانوار ص۱۵ [۲] نور الانوار ص۵

معنے کے لحاظ سے محدثین کا یہ فیصلہ قطعی ہے اور قرائن کی بنا پر پہلے معنے کے اعتبار سے بھی قطعی ہوگا۔

★ امکان قطع کے منافی نہیں ہوتا کیونکہ حکم واقعات کے اعتبار سے ہوتا ہے اور امکان عقلی احتمال کا کام ہے۔ اسی وجہ سے محدثین نے صحیحین کی احادیث کی صحت کو قطعی کہا ہے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں :-

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع مافیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع ؎

محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیحین کی متصل مرفوع حدیثیں قطعی طور پر صحیح ہیں ـــــــــــــ

قرائن کے اعتبار سے تو قطع کے پہلے معنے کے اعتبار سے بھی یہ حدیثیں قطعی ہیں۔

★ متواتر حدیثوں کی گنتی بھی بہت ہے۔ شریعت کا اکثر حصہ متواتر ہے۔ کچھ روایت کے ساتھ اور بہت سا حصہ تواتر تعامل کے ساتھ۔

اسی طرح وہ حدیثیں جن پر امت کا اجماع ہے وہ بھی یقینی ہیں، ظنی نہیں۔ اسی طرح وہ حدیثیں جن کے لئے ایسے قرینے پائے جائیں جن سے ان کی قطعیت ثابت ہوتی ہو۔

مگر یاد رکھنا چاہیے کہ کسی حدیث کو موضوع کہنے سے ہر جگہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حدیث فی الواقع وضعی ہے۔ کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث موضوع ہوتی ہے جس کی سند میں ایسا راوی متفرد ہو جس کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہو کہ وہ حدیثیں بناتا ہے۔ اگرچہ یہ ثابت نہ ہو کہ یہ خاص حدیث بھی اس نے بنائی ہے۔ اگر کوئی خاص قرینہ اس حدیث کے جعلی اور وضعی ہونے کا نہ ہو تو محض اس کی سند میں کسی کذاب یا وضّاع کے آجانے سے جو حدیث کو موضوع کہا جاتا ہے یہ حکم ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے بعض حدیثوں کے متعلق محدثین کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ بعض اس کو موضوع کہتے ہیں اور بعض اس کے موضوع ہونے کا انکار کر دیتے

؎ حجۃ اللہ البالغۃ صـــ۱۱۶

ہیں۔ کیونکہ بعض سندوں میں اگر کوئی ایسا راوی ہو جو حدیثیں بناتا ہے۔ اگر محدث کو فقط اس کا علم ہوگا تو وہ اس کو موضوع قرار دے گا اور جب محدث کو اس حدیث کی دوسری سند مل گئی جس میں وہ راوی جھوٹا نہیں تو وہ اس حدیث کو موضوع نہیں کہے گا۔ ایسی صورت میں دوسرے محدث کے فیصلہ کو ترجیح ہوگی۔

اگر اس حدیث کی ایک سند ہو تو اس صورت میں جس نے موضوع کہا ہے اس کا حکم زیادہ راجح ہوگا مگر صحت کا حکم جو محدثین لگاتے ہیں اس میں اطمینان کر کے لگاتے ہیں اور یہاں اطمینان ہو بھی سکتا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

"میں نے اپنی کتاب صحیح میں جو حدیث لکھی ہے پہلے اس کی صحت کا یقین کر لیا ہے تو بعد میں لکھی ہے۔"

ابن جوزی نے بہت سی روایات کو جو دراصل موضوع نہیں غلطی سے موضوع لکھ دیا ہے اور بہت سی موضوع روایات کو چھوڑ بھی دیا ہے یعنی جتنی ان کو موضوع حدیثیں معلوم ہوئیں ان کو لکھ دیا اور جن کا علم نہ ہوا ان کو چھوڑ دیا اور جن کا موضوعات میں ذکر کیا ان میں بھی بعض جگہ غلطی کر گئے امام سیوطی نے ان پر تعقب کیا۔ ان کی بیان کردہ بعض حدیثیں جن کو وہ موضوع سمجھتے تھے ان کے متعلق ثابت کیا کہ یہ موضوع نہیں۔

پھر موضوعات کا تذکرہ صحیح حدیثوں کے غیر معتبر ہونے میں فضول ہے۔ کیونکہ جو حدیثیں بالاجماع صحیح ہیں ان کو کسی نے موضوع نہیں کہا۔ اسی طرح جو لوگ دوسری یا تیسری صدی میں صحابی کہلاتے۔ ان کی حدیثیں محدثین نے اپنی صحیح کتابوں میں نہیں لکھیں اگر کسی شخص نے ایسے صحابیوں کی صحابیت کی ہے تو اس کی ایسی حدیثوں کا جن کو وہ ایسے جعلی صحابیوں سے بیان کرتا ہے کوئی اعتبار نہیں کیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) اسمٰعیل شیرازی سراجی ۱۶ر جولائی ۱۸۸۰ء کو پلنہ (سراج گنج) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دل میں ملک و مذہب کی خدمت کا بے پناہ جذبہ تھا۔ منشی مہر اللہ جیسے ساتھیوں نے اسے مزید بڑھایا۔ تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ حکومت برطانیہ کے ہاتھوں انہوں نے بڑی تکالیف اٹھائیں۔ انہوں نے ہندوؤں اور انگریزوں سے بیک وقت جاری رکھی۔ جنگ بلقان میں ڈاکٹر انصاری کے مشن کے ساتھ ترکی گئے۔ اور ترک مسلمانوں کی خدمت کی۔ ان کی کتاب "آگ کے شعلے" ڈاکٹر انعام الحق کے بقول برطانوی گولیوں سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی۔